ڈاکٹر عابد سیال

شعبۂ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جدید غزل میں تمثال کاری اور پیکر تراشی کا رجحان

Dr. Abid Siayal

Department of Urdu, National University of Modern Langauges, Islamabad

Trend of Imagism and Expnssionism in Modern Ghazal

Besides being influenced by new theories introduced in the fields of philosophy, anthropology and economics, the literature of 20th century has significant impacts of the various trends of fine arts. The most prominent among these is painting in which different trends became popular in West. Imagism, Impressionism and Expressionism are important among these. The effect of these trends on Urdu poetry can be seen in coining new imagery by modern poets. The article critically analyses this phenomenon in the context of modernism movement in Urdu literature.

فلسفہ، عمرانیات اور معاشیات کے شعبوں میں آنے والے نئے نظریات سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ بیسویں صدی کے ادب نے دیگر فنونِ لطیفہ میں نمایاں ہونے والے بعض رجحانات کے اثرات بھی قبول کیے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم فنِ مصوری ہے۔ مغرب میں مصوری کے فن میں کئی رجحانات مشہور ہوئے۔ جدیدیت کی تحریک ان میں سے خاص طور پر جن رجحانات سے اثر پذیر ہوئی، ان میں تمثال کاری (Imagism)، تاثریت (Impressionism) اور اظہاریت (Expressionism) شامل ہیں۔ مصوری کے شعبے میں ان اصطلاحات کے مخصوص معنی سے قطع نظر، یہاں یہ بات اہم ہے کہ اردو شاعری نے ان رجحانات سے جو اثر قبول کیا اس کا نتیجہ تمثالوں اور حسی پیکروں کی تشکیل کی صورت میں سامنے آیا۔ شعرا نے اپنے جذبات اور محسوسات کو خارجی مظاہر کے ساتھ ملا کر ایسے پیکر تراشنے کی روش اختیار کی جو قاری کے ذہن میں ان جذبات واحساسات کا بھرپور تاثر ابھار سکیں۔ بقول ڈاکٹر تنویر احمد علوی:

> شعر یا پھر ادبی صداقت اس وقت تک اپنی معنویت سے محروم رہتی ہے جب تک کہ وہ متحرک شعری پیکروں اور نئے حسّی تجربوں کو جنم نہ دے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب شعری تجربے کی بنیاد تخلیقی حسّیت پر قائم ہو۔ یہی حسّیت قاری یا سامع کو اس تجربے میں داخلی شرکت اور اس کی بازیافت پر آمادہ کرتی ہے۔ (۱)

اردو شاعری کی روایت میں یہ رویہ کسی نہ کسی شکل میں پہلے بھی موجود رہا ہے اور منظر نگاری، محاکات، جزئیات نگاری اور تشبیہ و

استعارہ سازی میں اس کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ لیکن جس انداز میں یہ رجحان ساٹھ کی دہائی میں فروغ پذیر ہوا، اس سے پہلے اس کی مثال موجود نہیں۔ اس سلسلے میں اردو غزل کے حوالے سے سب سے اہم نام شکیبؔ جلالی کا ہے۔ شکیب جلالی کی بنائی ہوئی لفظی تصویریں لہو رنگ ہیں اور اپنے خد و خال کی وضاحت اور ابلاغ کی کاملیت کی بنا پر قاری کو فوری طور پر متوجہ کرتی ہیں۔ لیکن اس فوری کے اثر سے نکلنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ان کے ہاں فکری گہرائی نسبتاً کم ہے۔ اس کمی کو شکیب کا لہجہ اور احساس کی شدت پورا کرتی ہے۔ ان کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود زہرنا کی نہیں۔ شکیبؔ نے اپنے ذاتی دکھوں اور اپنے عہد کے آشوب کو بھی غزل میں سمویا ہے۔ ''وہ مجروح انسانیت کے شاعر ہیں جن کا سفرِ جاں بھی ان کی شاعری کی چمن در چمن جراحتوں کے لیے ایک اشارہ بن جاتا ہے''۔ (۲) لیکن ان کی اصل انفرادیت ان کی تمثال کاری ہی ہے۔ دیہات کی فضا اور پنجاب کا ماحول ان کی تمثالوں کے بنیادی سرچشمے ہیں۔ بقول شمس الرحمٰن فاروقی:

> شکیبؔ جلالی کی غزل میں خاص بات ہے کہ زبان پر خلاقانہ جبر اور اپنے اوپر ہنستے رہنے کی ادا کو چھوڑ کر جدید غزل کی ہر کیفیت اُن کے مختصر سے کلام میں مل جاتی ہے۔ ایسے پیکروں کے وہ بادشاہ ہیں جو آنکھ اور سامعہ کو متاثر کریں۔ کبھی یہ پیکر دونوں حسوں کو بیک وقت بھی متاثر اور متحرک کرتے ہیں۔ پیکر پر مبنی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سامع/قاری رک کر اِس کے معنی نہیں پوچھتا۔ اِس پیکر کی جو معنویت خود سامع/قاری کے ذہن میں ہوتی ہے وہ تمام دوسرے تاملات اور تمام مسابقتی تعبیرات کو روک دیتی ہے اور ایک ایسی شعری صورت حال پیش کرتی ہے جو تعبیر سے ماورا اور صرف احساس و محسوس پر مبنی ہوتی ہے۔ (۳)

؎ آ کر گِرا تھا ایک پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر

؎ جھکی چٹان ، پھسلتی گرفت ، جھولتا جسم
میں اب گرا کہ گرا تنگ و تار گھاٹی میں

؎ چوما ہے میرا نام لبِ سرخ نے شکیبؔ
یا پھول رکھ دیا ہے کسی نے کتاب میں

؎ اک یاد ہے کہ دامنِ دل چھوڑتی نہیں
اک بیل ہے کہ لپٹی ہوئی ہے شجر کے ساتھ

ے کیا جانیے کہ اتنی اداسی تھی رات کیوں
مہتاب اپنی قبر کا پتھر لگا مجھے

ے کمرے خالی ہو گئے ، سایوں سے آنگن بھر گیا
ڈوبتے سورج کی کرنیں جب پڑیں دالان پر

ے اب یہاں کوئی نہیں ہے کس سے باتیں کیجیے
یہ مگر چپ چاپ سی تصویر آتشدان پر

ے تعریف کیا ہو قامتِ دلدار کی شکیبؔ
تجسیم کر دیا ہے کسی نے الاپ کو

منیر نیازی، مجید امجد، ظفر اقبال اور شہزاد احمد کے ہاں بھی تمثال کاری اور پیکر تراشی کا رجحان خاص طور پر نمایاں ہے۔ منیر نیازی کی شاعرانہ تمثالیں خوف، دہشت، پراسراریت اور ہیبت ناکی کے تصورات پیدا کرتی ہیں۔ اجڑے مکانوں، قبرستانوں، روحوں، چڑیلوں، آسیبوں، جنگلوں کی تمثالوں کے ذریعے انھوں نے اپنے اردگرد کے ماحول میں سرایت کیے ہوئے خوف اور ڈر کو جس طرح متشکل کیا ہے، اس میں ان کی انفرادیت اجاگر ہوتی ہے۔ بقول ڈاکٹر طارق ہاشمی: ''اردو غزل کی تشکیلِ جدید کے سلسلے میں منیر نیازی کا تمثالی اسلوب اپنے تنوع اور فراوانی کے باعث جہت نما حیثیت کا حامل ہے۔۔۔ یہ تصویریں کہیں تو محض عشق کے رومانی جذبات واحساسات کی ترجمان ہیں تو کہیں ان کی وسعت آفاق کی شش جہات تک پھیلی ہوئی ہے''۔ (۴) مجید امجد کا نام اگرچہ نظم کے حوالے سے زیادہ نمایاں ہے لیکن ان کی غزل بھی منفرد ذائقے کی حامل ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں اردگرد کے ماحول کے انتشار اور عدم اطمینان کو نادر شاعرانہ تمثالوں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ ''نئے عہد کی صنعتی زندگی کے نتیجے میں ظہور میں آنے والے شہروں کی ہنگامہ خیز زندگی ہو کہ قصباتی ماحول کا سکون، مجید امجد ہر منظر نامے سے اپنے شعور اور آدرش کی تجدید کے لیے خیالات حاصل کر لیتے ہیں''۔ (۵) ظفر اقبال کے ہاں تمثالیں متنوع ہیں۔ وہ شاعری میں جس طرح کی تصویریں بناتے ہیں ان کے خدوخال کسی قدر مبہم ہیں لیکن ان میں تخلیقیت کا عنصر اسی تناسب سے زیادہ ہے۔ ان کی تمثالیں تخیل کو مہمیز دیتی ہیں۔ شہزاد احمد کے ہاں جدید تمدن کے حوالے سے تمثالیں ملتی ہیں۔ سڑکوں، بازاروں، نیون سائنز کی جگمگاتی روشنیوں اور اس طرح کی دیگر چیزوں سے انھوں نے شعری تمثالیں اخذ کی ہیں۔

ے آیا وہ بام پر تو کچھ ایسا لگا منیؔر
جیسے فلک پہ رنگ کا بازار کھل گیا (منیر نیازی)

ے مثالِ قوسِ قزح بارشوں کے بعد نکل
جمالِ رنگ کھلے منظروں سے پیدا ہو (منیرنیازی)

ے چار سُو باجیں پکوں کی پائلیں
اس طرح رقاصۂ عالم چلے (منیرنیازی)

ے باطنِ زردار پراسرار ہے جیسے منؔیر
کانِ زر کی بند ہیبت مشعلوں کے سامنے (منیرنیازی)

ے سلگتے جاتے ہیں چپ چاپ ہنستے جاتے ہیں
مثالِ چہرۂ پیغمبراں گلاب کے پھول (مجیدامجد)

ے کس کی گھات میں گم سم ہو؟ خوابوں کے شکاری جاگو بھی
اب آکاش سے پورب کا چرواہا ریوڑ ہانک چکا (مجیدامجد)

ے غبارِ رنگ میں رس ڈھونڈتی کرن تری دھن
گرفتِ سنگ میں بل کھاتی آب جُو ترا غم
ندی پہ چاند کا پرتو ترا نشانِ قدم
خطِ سحر پہ اندھیروں کا رقص ، تُو ، ترا غم (مجیدامجد)

ے کسی سان گمان کرشمے پر کوئی نقش لبوں کے لرزنے کا
کسی خواب سراب سمندر میں کوئی لہر لہو کے اچھلنے کی (ظفراقبال)

ے شب بھر رواں رہی گلِ مہتاب کی مہک
پَو پھوٹتے ہی خشک ہوا چشمۂ فلک (ظفراقبال)

ے میں ڈوبتا جزیرہ تھا موجوں کی مار پر
چاروں طرف ہوا کا سمندر سیاہ تھا (ظفر اقبال)

ے آتا ہے خوف آنکھ جھپکتے ہوئے مجھے
کوئی فلک کے خیمے کی رسی نہ کاٹ دے (شہزاد احمد)

ے جو شب کو چاند نہ نکلا تو روشنی کے لیے
جلا کے ہم نے پرندے فضا میں چھوڑ دیے (شہزاد احمد)

تمثال کاری اور پیکر تراشی کا یہ رجحان ساٹھ کی دہائی میں اور اس کے بعد بڑی سرعت سے پھیلا۔ خاص طور پر شکیب جلالی کے انداز میں لفظی تصویر کاری کی روش اپنے وقت کا فیشن بن گئی اور ہر دوسرے شاعر کے ہاں یہ رویہ نظر آنے لگا۔ تازہ اور نادر تمثالوں کی تلاش میں شعرا نے اپنے قرب وجوار پر توجہ کی نظر ڈالی اور اپنے ماحول کو شاعری کا حصہ بنانے میں اپنا زورِ تخلیق صرف کیا۔ انوکھے مناظر اور اچھوتے حوالے جدید غزل کے دامن میں سمٹنے لگے۔ بنیادی طور پر تمثال کاری کا یہ عمل منظر نگاری سے مختلف ہے۔ منظر نگاری کا عمل ایک طرح سے بیانیہ ہے جبکہ تمثال کاری اور پیکر تراشی کا رخ استعاراتی، علامتی اور تجریدی انداز کی طرف ہے۔ منظر نگاری میں منظر اہم ہوتا ہے اور الفاظ منظر کو بیان کرنے میں وسیلے کا کام دیتے ہیں۔ تمثال کاری اور پیکر تراشی میں خارجی مناظر کی حیثیت خود وسیلے کی سی ہے جو یادوں، تجربوں اور ذہنی و محسوساتی پیچیدگیوں کو بیان کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ ''پیکر سے مجرد چیزوں کی تجسیم کا کام لیا جاتا ہے۔ کیفیات واحساسات کو تصویری شکل میں پیش کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن جب یہ انجام پا جائے تو قاری ان لہروں تک آسانی سے رسائی پا لیتا ہے جن سے سفر کرنے والا گزرا تھا''۔ (۶) لہٰذا تمثال کاری اور پیکر تراشی کا عمل اعلیٰ تخلیقی مرتبے کا حامل ہے۔ جدیدیت کی تحریک کے غزل گوؤں نے شعوری کاوش سے تمثالوں اور پیکروں کی ندرت کے ذریعے نہ صرف قاری کے لیے بہجت اور سرشاری کا سامان مہیا کیا بلکہ قلبی و ذہنی تحرک کے ساتھ ساتھ حسیاتی بیداری کا کام لینے کی بھی سعی کی۔ بقول ڈاکٹر رشید امجد:

> پیکر تراشی پرانی شاعری میں بھی موجود ہے لیکن وہاں اسے تحریک بنایا گیا اور نہ کسی خاص فکری منطق سے محسوس یا مخصوص کیا گیا، نئے غزل گو نے اسے تحریک کی صورت بخشی، اس لیے پیکر تراشی کا فکری ذکر نئی غزل کے حوالے سے اپنی پہچان کرائے گا۔ نئی غزل میں احساس اور اس کی شدت کو پیکری صورت میں پیش کرنے کا عمل مختلف زاویوں سے اپنے مستقل عکس قائم کر رہا ہے۔ یہ پیکر تاثر ابلاغ واظہار کے امین بھی ہیں اور حسّی شدت میں مہمیز واضافہ کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ (۷)

ے کرنا پڑے گا اپنے ہی سائے میں اب قیام
چاروں طرف ہے دھوپ کا صحرا بچھا ہوا (وزیر آغا)

ے ہوئی جو شام تو ہر گھر سے تعزیے نکلے
سبھی سبھوں کو سرِ راہ دیکھنے نکلے (سرور کامران)

ے جنگل کی آگ میرے لہو میں سما گئی
ایندھن بنا ہوا ہوں کسی کے خیال میں (رشید نثار)

ے اس کو چھونے کی خواہش نے ہاتھ بڑھائے تو
پھن پھیلائے نکلے کتنے سانپ لکیروں سے (جلیل عالی)

ے میں کس خلا میں ہوں ، سمتوں کا بھی نہیں احساس
یہ دہر بھی مجھے اندھا کنواں ہی آئے نظر (ریاض مجید)

ے ہماری عمر تو ہے بیل عشق پیچاں کی
ڈھلک پڑے گی اگر کوئی آسرا نہ ملا (کشور ناہید)

ے اے اَنا کی عمارتِ رنگیں
تیرے مینار ڈھا گیا کوئی (انور شعور)

ے رنگ اڑنے لگا پتوں کا ہرے موسم میں
پھول کٹتے ہیں، ہوا تیز ہے خنجر جیسی (پرکاش فکری)

ے کوہساروں کے بیچ جیسے شگاف
کچھ تو ہے اپنے درمیاں خالی (بانی)

تمثال کاری کا یہ رجحان تمام تر مثبت نہیں تھا۔ یہ اپنے زمانے کا مقبول ترین فیشن قرار پایا اور اکثر شعرا نے محض تمثالوں کی جدت ہی کو معیارِ شاعری سمجھا، اس بات پر غور کیے بغیر کہ تمثالیں اس وقت تک بامعنی اور پُر اثر نہیں ہوسکتیں جب تک وہ خیال تخلیقیت کا حامل نہ ہو جس کی ترسیل کے لیے تمثال کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمثال کا نیا اور نامانوس ہونا ہی کافی نہیں اس کا جمالیاتی پہلو بھی اتنا ہی مستحکم ہونا ضروری ہے۔ فیشن زدگی کی اسی رَو میں بعض شعرا نے ایسی غیر شاعرانہ اور مضحکہ خیز تمثالیں بنائیں جن کو پڑھ کر قاری حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

؎ غم کے چیتے غزالِ ہستی کو
دیکھتے ہی دبوچ لیتے ہیں (آصف رازؔ)

؎ کھڑے ہیں بے برگ سر جھکائے
ہَوا درختوں کو چَر گئی ہے (محمد علوی)

؎ بکھری ہیں پیلی ریت پہ سورج کی ہڈیاں
ذروں کے انتظار میں لمحوں کا جھومنا (عادل منصوری)

جدیدیت کی تحریک میں تمثال کاری کا رجحان اپنے دائرۂ اثر اور پھیلاؤ کے لحاظ سے دیگر تمام رجحانوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ اردو غزل پر یہ رنگ ایسا چڑھا کہ ایک عرصے تک شعرا کی ایک پوری نسل کا مسئلہ صرف اور صرف نئی تمثالوں کی تراش ہی بن گیا۔ اس کے ساتھ اس روش کے مثبت اور منفی اثرات بھی اردو غزل میں در آئے۔ جدید غزل گوؤں کے حوالے سے ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں کہ ''وہ تصویری زبان کی امکانی قوتوں سے فائدہ اٹھانے کے ہنر سے آگاہ ہیں''۔ (۸) ان شعرا نے اس طرزِ شعر کے امکانات کو بھرپور انداز سے کھنگالا اور اردو غزل کے اسلوبیاتی دائرے کو وسیع کیا لیکن دوسری طرف غیر شاعرانہ تمثالوں کے جھاڑ جھنکار کا انبار بھی اردو غزل ہی کو اٹھانا پڑا۔

حوالہ جات

۱۔ تنویر احمد علوی، ڈاکٹر ''جدید غزل: فکری و فنی سطح پر ایک نقطۂ انحراف'' مشمولہ ''معاصر اردو غزل''، مرتبہ: قمر رئیس، پروفیسر، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱۱

۲۔ حنیف فوق، ڈاکٹر ''اردو غزل کے نئے زاویے'' مطبوعہ ''فنون'' لاہور، جدید غزل نمبر، ۱۹۶۹ء، ص ۱۲۳

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، ''شکیب جلالی: مشعلِ درداب بھی روشن ہے''، مشمولہ ''شکیب جلالی، شخصیت اور فن'' مرتبہ: ذوالفقار احسن، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۶

۴۔ طارق ہاشمی، ڈاکٹر، ''منیر نیازی ۔ تین رنگ'' مطبوعہ ''تسلسل'' پشاور، شمارہ ۴، ۲۰۰۷ء، ص ۹۹

۵۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، ''پاکستانی اردو غزل'' مشمولہ ''اردو غزل'' مرتبہ: کامل قریشی، ڈاکٹر، اردو اکادمی، دہلی، ۱۹۸۷ء، ص ۲۹۳

۶۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''پاکستانی غزل ۱۹۴۷ء-۱۹۸۱ء'' مشمولہ ''جدید اردو غزل'' مرتبہ: خدابخش پبلک اورینٹل لائبریری، پٹنہ، بھارت، ۱۹۹۵ء، ص ۴۶، ۴۷

۷۔ ایضاً، ص ۴۷

۸۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، ''پاکستانی اردو غزل'' مشمولہ ''اردو غزل'' مرتبہ: کامل قریشی، ص ۳۰۵